طالب محسن

ایک شہید

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ یہ جملہ بہت بامعنی ہے۔ یہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ کوئی بڑی حقیقت جب الفاظ کا روپ دھار لیتی ہے اور یہ الفاظ جب زبان پر رسمی جملے کی صورت میں جاری ہو جاتے ہیں تو اپنی تاثیر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس جملے کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ لیکن بعض لوگوں کی زندگی سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس بات کو سنا، دیکھا، سمجھا، مانا، اپنایا اور پوری زندگی کا نقشہ اس حقیقت کے مطابق مرتب کر ڈالا۔

دین سے تعلق کی دو جہتیں ہیں۔ ایک اس پر عمل اور ایک اس کی نصرت۔ یہ دونوں جہتیں جس کی زندگی میں جمع ہو جاتی ہیں، اس کے بارے میں ہم پورے اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے دین کو ماننے اور اپنانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے، اس نے نہ صرف زندگی کے روز و شب دین کی تعلیمات کے مطابق کر لیے ہیں، بلکہ اپنی مساعی کا ہدف بھی دین کی حفاظت اور فروغ کو بنا لیا ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ ہی کم ہوتے ہیں اور ایسے لوگ اور بھی کم ہوتے ہیں جن کی زندگی کا عنوان ہی دین سے یہ تعلق بن جائے۔

ڈاکٹر فاروق احمد خان ان خوش نصیبوں میں سے تھے جن پر یہ عنوان ماتھے کے تاج کی طرح چمکتا تھا۔ دنیوی زندگی کی کامرانیاں قدم چومتی تھیں، لیکن انھوں نے ان کے ہاتھ میں اپنا دامن دینے کے بجائے اپنی زندگی کی باگ آخرت کی طرف موڑ رکھی تھی۔ اس خادم دین کے کئی رنگ تھے۔ مصنف، مقرر، داعی، مصلح، واعظ، مکالمہ کار، دانش ور، سیاست کار اور مزید براں دکھی انسانوں کا خادم۔ ان کے کام کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بس لکھنے کی میز سے اٹھے تو داعی کی کرسی پر بیٹھ گئے۔ وہاں سے اٹھے تو ملک و قوم یا انسانوں کی خدمت کے کسی کام میں جت گئے۔ اس قوم کی کتنی بد قسمتی ہے کہ اس نے ایک ایسے انسان کو زندگی سے محروم کر دیا جو خود اس کی صلاح و فلاح کی ضمانت تھا۔ جس کی زندگی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

خود اس کی زندگی تھی۔ قومیں شاہراہ حیات پر اعلیٰ درجے کے انسانوں کے بل پر منزلیں مارتی ہیں اور اگر خدا انھیں ان سے محروم کر دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرحلۂ ابتلا میں ہیں۔ ہم ابتلا میں ہیں، یہ بات تو ہر عنوان سے واضح ہے۔ فاروق خان کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتلا ختم ہونے کے آثار بھی مٹ رہے ہیں۔

جب فاروق خان کے قتل کی خبر ملی تو دل میں بلا تردد اور بلا توقف یہ خیال آیا کہ وہ شہید ہیں۔ اس لیے کہ ان کی زندگی دین کے نام تھی۔ اس لیے کہ ان کی موت دین کی خاطر تھی۔

اس دنیا میں معاشرتی تبدیلی کا کوئی کام بھی فوری ایکشن کے ذریعے سے نہیں ہوتا۔ اگر ایسا کیا جائے، تو معاشرہ درہم برہم ہو جاتا ہے اور اصلاح کا کام تخریب بن جاتا ہے۔ دراصل جب بھی ایک پرانا آرڈر (پرانی قدریں) نئے آرڈر (نئی قدروں) کے لیے جگہ چھوڑتا ہے، تو درمیانی مدت میں کچھ وقت کے لیے پرانی اور نئی قدریں آپس میں خلط ملط ہوتی رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ کچھٹ بیٹھ جاتی ہے اور صاف و شفاف پانی نتھر کر سامنے آجاتا ہے۔ یہی حالت اسلامائزیشن کے پورے طریق کار کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے سلسلے میں موجودہ معاشرہ، تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معاشرے کے خاک پا کے برابر بھی نہیں۔ اگر اللہ چاہتا تو فوری طور پر تمام احکام بھجوا کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان پر عمل کرنے کی تلقین کرتا، لیکن اس طریق کار سے مستقبل کے معاشروں کی اسلامائزیشن ناممکن ہو جاتی۔ اور اس وقت کا معاشرہ بھی اتنا درہم برہم ہو جاتا کہ باقی معاشرے کے لیے مسلمان بننا ناممکن ہو جاتا۔ یوں تو تدریج کی یہ حکمت ہمیں ہر جگہ نظر آتی ہے، مگر دو معاملوں میں تو یہ اتنی واضح ہے کہ اس سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں۔ ایک امتناع شراب کا قانون اور دوسرا غلامی کے انسداد کا قانون۔ (ڈاکٹر محمد فاروق خان کی کتاب ''اکیسویں صدی اور پاکستان'' سے ایک اقتباس ۳۰۶)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org